E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 02. Masnavi, Marsiya Aur Nazm

Module Name/Title : Gulzar Ki Shayeri Ke Samaji aur Saqafati Pahlu

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE / Dr. Syed Taqi Abedi
PRESENTATION	Dr. Syed Taqi Abedi
PRODUCER	Dr. Mir Hashmath Ali

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی 29 : جدیدیت اور اردو شاعری

ساخت

29.1 تمہید
29.2 جدیدیت کی فکری اور فلسفیانہ بنیادیں
29.3 جدت پسند یا فیشن پسند شاعری
29.4 جدیدیت پسند غزلیں
29.5 جدیدیت پسند نظمیں
29.6 خلاصہ
29.7 نمونہ امتحانی سوالات
29.8 فرہنگ
29.9 سفارش کردہ کتابیں

29.1 تمہید

بیسویں صدی کی ابتدا ہی سے ترقی یافتہ ملکوں کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی منظر نامہ بڑی تیزی سے بدلنے لگا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی، نئے انکشافات اور ایجادات کا سبب بنی۔ تحقیق و تدقیق سے نہ صرف کئی مخفی حقیقتوں کی بازیافت ہوئی بلکہ مستقبل کے خواب کا ایک لامتناہی سلسلہ ترتیب پایا۔ یہ ضرور ہے کہ اس طرح انسانی فلاح و بہبود کے نئے امکانات پیدا ہوئے مگر ساتھ ہی ساتھ انسانیت کو ضرر بھی پہنچا۔ سیاسی اور اقتصادی برتری کے ساتھ ساتھ مذہبی اور نسلی تفوق کی جدوجہد ایک خطرناک دہانے پر پہنچ گئی۔ سیاسی انقلابوں، صنعتی ارتقا اور جنگی معرکوں سے کئی ملکوں میں اتھل پتھل ہوئی۔ چھٹی دہائی آتے آتے امریکہ اور روس کی سرد جنگ اور روس اور چین کے آپسی اختلافات سے الجھاؤ اور بحران شدت اختیار کر گیا۔ عالمی اصول اور ضابطے نئے سرے سے رقم ہونے لگے۔ سماجی اور تہذیبی قدریں بھی بکھراؤ کا شکار ہوئیں اور ان کا گہرا اثر فکر و فلسفہ اور شعر و ادب پر ہوا۔ عدم تحفظ، تذبذب، خوف، گمنامی، تنہائی، اجنبیت، بے چہرگی، بے رشتگی، لافردیت، لایعنیت، فراریت، انکاریت، وہم اور تشکیک وغیرہ ایسے احساسات تھے جو اس عہد کے دانشوروں اور فنکاروں کو بے چین کیے ہوئے تھے اور وہ یوروپی مفکروں اور فلسفیوں کے تصورات و نظریات کی چھاؤں میں پناہ لینے پر مجبور ہونے لگے۔ برصغیر میں آزادی کے بعد ہونے والے ہولناک فرقہ ورانہ فسادات سے سماج پرستی، اجتماعیت اور مذہبی اشتراک کے کھوکھلے نعروں کی اصلیت ظاہر ہو گئی۔ 1962ء میں رہا سہا بھرم ہندوستان پر چینی حملے سے کھل گیا۔ اشتراکی سیاست کے ساتھ ساتھ ترقی پسند ادبی تحریک بھی تعطل اور انتشار میں مبتلا ہو گئی۔ سرمایہ دارانہ نظام، سماجی نابرابری اور غریبوں اور محنت کشوں کے استحصال کے خلاف آواز اٹھانے والے فنکار مایوس ہوتے گئے نیز حلقۂ ارباب ذوق، سے منسلک فنکار زیادہ توانائی اور آزادی کے ساتھ اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرنے لگے۔ انہیں یورپی تصورات اور نظریات سے سہارا ملنے لگا جس سے عصری فنکاروں نے یہ مطمح نظر بنایا کہ فرد سماج کا محض ایک پرزہ نہیں ہے۔ وہ اپنی ایک حقیقت، اہمیت اور وجود رکھتا ہے۔ اسی وجود سے سماج میں رنگینی اور گہما گہمی ہے۔ ترقی پسندی میں سماج کے ذریعے فرد کی پہچان بنتی تھی۔ جب کہ اس نئے خیال سے معاملہ الٹ گیا۔ فرد کے توسط سے سماج ہی نہیں پوری کائنات کی شناخت ہونے لگی۔ طبیعاتی اور مابعد الطبیعیاتی، مادی اور روحانی منطقوں کی بازدید بھی ہوئی۔ اس نئی حقیقت یا رجحان کو جدیدیت کا نام دیا جاتا ہے۔

29.2 جدیدیت کی فکری اور فلسفیانہ بنیادیں

ہرادبی تحریک کسی مرکزی نظریے یا مقصد سے وابستہ ہوا کرتی ہے مگر جدیدیت کوئی تحریک نہیں ہے۔ یہ ایک رجحان یا رویہ ہے اور کسی ایک نظریے تک محدود نہیں ہے بلکہ یوروپی مفکروں اور فلسفیوں کے مختلف النوع تصورات اور نظریوں پر مبنی ہے۔ اسپنسر' بارتھ' اسٹاک مان' ارنسٹ ماخ' بریٹرینڈ رسل' ہیوم' فرائڈ' اڈلرئینگ' کروچے' کر کے گارڈ اور سارتر وغیرہ نے اپنے خیال اور نظریے سے علمی اور ادبی دنیا میں تہلکہ مچادیا تھا۔ ایسے نظریوں میں معرفت پسندی (Theosophism) انفرادیت پسندی (Individualism) ماورائے حقیقت پسندی (Surrealism) ماورائیت (Transcendentalism) انکاریت (Nihilism) پیکریت (Imagism) تاثریت (Impressionism) عملیت (Pragmatism) نراجیت (Anomat) لایعنیت (Absurdism) شعور کی رو (Stream of Consciousness) تحت الشعور (Sub consciousness) لاشعور (Collective Unconsciousness) وجودیت (Existentialism) وغیرہ خاصے مقبول ہوئے۔ ان سب کا تعلق انسان کے باطن سے تھا اور ان کے اثرات بڑے دوررس تھے۔ یہی سبب ہے کہ صنعتی' اقتصادی' سیاسی' سماجی اور تہذیبی انقلابات سے دوچار ہونے والا انسان اندر سے اور مضطرب ہوا۔ وہ ایک قسم کی ذہنی' محسوساتی اور نفسیاتی کشمکش اور پیچیدگی میں مبتلا ہو کر اپنے آپ میں گم ہوتا گیا اور اس داخلی شکست و ریخت سے جو نئی حیثیت پیدا ہوئی' جدیدیت پسند ادب میں اس کی کلیدی حیثیت ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. جدیدیت تحریک ہے یا ادبی رجحان؟
2. دو ایسے مفکروں کے نام بتایئے جن سے جدیدیت متاثر ہوئی۔
3. ایسے دو نظریوں کے نام لکھیے جو جدیدیت کے محرک ہیں۔
4. جدیدیت میں داخلیت حاوی ہے یا خارجیت؟
5. جدیدیت کیا ہے؟

29.3 جدت پسند یا فیشن پرست شاعری

جدیدیت کے زیر اثر اردو شاعری کے موضوع' اسلوب اور ہیئت تینوں سطحوں پر واضح تبدیلیاں آئیں۔ ترقی پسندوں نے نظم پر زیادہ توجہ دی تھی مگر جدیدیت پسند شاعروں نے نظم اور غزل دونوں صنفوں میں اپنے فکر و خیال کی ترجمانی بھی کی اور نئے تجربے بھی کیے۔ ہیئت میں نیا پن لانے کے لیے آزاد نظم' نثری نظم' آزاد غزل اور نثری غزل کے امکانات پر غور کیا گیا ہے۔ آزاد نظم پہلے سے رائج تھی اسے مزید تقویت ملی مگر دوسرے ہیئتی تجربے کامیاب نہ ہوسکے۔ کچھ عرصہ بعد نثری نظم جڑ پکڑنے لگی۔ آزاد اور نثری غزل کا تجربہ برائے تجربہ ہی رہا۔ جدت پسندی یا فیشن پرستی کی یہ لہر نئی ہیئتوں تک محدود نہ رہی بلکہ روایتی صنف غزل کی اسلوبیاتی سطح پر بھی ابھر کر سامنے آئی۔ جدیدیت کی شروعات کے دوران بعض شاعروں نے غزل کے بنے بنائے مزاج اور لفظیاتی نظام پر کاری ضرب لگائی نیز ایک بالکل نیا اور انوکھا علامتی اور استعاراتی پیرایہ اختیار کیا جس میں خاصا تنوع بھی تھا اور ابہام بھی۔ غزل نہ اس کی خوگر تھی نہ متحمل۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھے جاسکتے ہیں

سورج کو چونچ میں لئے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کے پردے کھینچ دیے رات ہوگئی

(ندا فاضلی)

بھاگی چلی آرہی ہے دیکھو تو
بستی ہے شکار، شام چیتا ہے (شمس الرحمٰن فاروقی)

مرجھا کے کالی جھیل میں گرتے ہوئے بھی دیکھ
سورج ہوں میرا رنگ مگر دن ڈھلے بھی دیکھ
(شکیب جلالی)

گلدان میں گلاب کی کلیاں مہک اٹھیں
کرسی نے اس کو دیکھ کے آغوش وا کیے (محمد علوی)

اس قسم کے شعروں کی مختلف انداز سے تعبیر وتشریح کی گئی۔ پھر بھی 'سورج کی چونچ میں مرغا' 'شام کا چیتا ہونا' 'سورج کا کالی جھیل میں گرنا' اور 'کرسی کا آغوش وا کرنا' کسی بھی طرح غزلیہ اسلوب اور لہجے سے لگا نہیں کھاتے ہیں۔ اس لیے ان نمونوں یا اس طرح کے دوسرے نمونوں کو محض ایک جدت پسند بیانیہ کہا جائے گا۔ صنف نظم میں بھی اس کی پیروی کی گئی۔ شہر یار کی یہ نثری نظم اس کی ایک مثال ہے

لیکن تم یہ نہیں جانتے تھے کہ
تلوار کی چمک خون سے قائم رہتی ہے
اور خون بھی دشمن، دوست کا نہیں
لیکن تم اپنے دشمن سے ناواقف تھے
اس لیے تمہاری تلوار زنگ آلود ہے!

(مجموعہ ''ساتواں در'')

ہر چند یہ نظمیہ اسلوب مذکورہ غزلیہ اسلوب سے مختلف ہے اور اس میں لفظوں کی انوکھی ترتیب نہیں ہے اور نہ گمبھیر علامت یا استعارہ ہے مگر یہ اکہرا اسلوب نہ احساس کی جلوہ نمائی کرتا ہے نہ ہی شعریت بداماں ہے۔ اسی بنا پر اسے بھی جدت پسندی یا روایت شکنی کا نمونہ قرار دیا جائے گا۔ ایسی مثالیں ابتدائی دور میں ملتی ہیں۔ جدیدیت کے استحکام کے بعد انہیں ناپسند کیا جانے لگا اور آہستہ آہستہ ان کا خاتمہ ہو گیا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. کسی ایک جدت پسند غزل گو کا نام بتایئے۔
2. جدت پسندی یا فیشن پرستی کس دور میں ابھری؟
3. جدت پسندی کی اہم خصوصیت کیا ہے؟
4. جدت پسندی کا مظاہرہ کن شعری ہیئتوں میں کیا گیا؟
5. جدت پسندی کا خاص تعلق موضوع سے تھا یا اسلوب سے۔
6. جدت پسندی کا آئینہ دار ایک شعر لکھیے۔

29.4 جدیدیت پسند غزلیں

جدیدیت پسند شاعروں نے اردو غزل میں موضوع اور اسلوب کی سطح پر بڑی خوشگوار اور دلکش تبدیلیاں کیں۔ حالانکہ غزل کے کلاسیکی مزاج میں

تبدیلی لانے کی کوشش 1857ء کے بعد خاص طور پر حالی کے ذریعے ہو چکی تھی اور فکر و خیال کو ایک نیا موڑ دے کر آسان لفظوں میں ڈھالا گیا تھا جس سے غزل میں قدرے اکہراپن آ گیا تھا پھر بھی اسے اجتہادی اقدام ماننا ہوگا۔ جدیدیت پسند شاعروں کی اہم دین یہ ہے کہ انہوں نے فرد کے حوالے سے کائنات کی بے شمار صداقتیں اپنی شعری کائنات میں سمیٹ لیں نیز ان کی پیش کش میں یہ اہتمام کیا کہ موسیٰ و طور، مریم و عیسیٰ، یوسف و زلیخا، شیریں و فرہاد، قفس و آشیاں، کعبہ و کلیسا، صیاد و گلچیں، ساغر و مینا، ساقی و میخانہ اور واعظ و محتسب جیسی کثرت سے استعمال ہونے والی کلاسیکی تلمیحوں، اشاروں اور استعاروں سے شعوری طور پر گریز کیا۔ شاعری کا رشتہ اپنی دھرتی سے استوار کرتے ہوئے تخلیقی سطح پر ایسی علامتیں اور تلازمے وضع کیے جن میں صداقتوں کے نئے گوشے بھی ضم ہو جائیں اور بیان کی تہہ داری اور پہلوداری بھی موجود رہے۔ سورج، چاند، رات، اندھیرا، اجالا، دھوپ، پرچھائیں، دھند، حصار، سمندر، جھیل، دریا، کشتی، بادبان، جزیرہ، شہر، بستی، گھر، مکان، پتھر، ریت، راکھ، درخت، پتا، پھول، تتلی، مچھلی وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جنہیں مختلف معنی میں بالتکرار استعمال کیا گیا۔ نئی شعری روایت میں ان کی حیثیت کہیں اشارے کی ہے، کہیں علامت کی اور کہیں استعارے کی۔ اصل خصوصیت یہ ہے کہ یہ بالکل سامنے کے ہیں، ان کی توجیہہ کے لیے ایک قاری کو ماضی کی ورق گردانی نہیں کرنا پڑتی ہے اور مفہوم اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس خوبصورت غزلیہ آہنگ سے ابھرتا ہے۔ ذیل کے شعروں سے یہ بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔

زمیں پہ چاند اُترتا دکھائی دیتا ہے
ترا خیال بھی تجھ سا دکھائی دیتا ہے

(خورشید احمد جامی)

اپنی ہی یادوں کی بوسیدہ ردا لے جائے گا
میرے گھر تک بھی وہ گر آیا تو کیا لے جائے گا

(مظہر امام)

شہر تمنا کے باشندے آ پھنسے کس بستی میں
نیچے کانٹے، آگے پیچھے، دائیں بائیں سر پر دھوپ

(مظفر حنفی)

دھیان کی سیڑھیوں پہ پچھلے پہر
کوئی چپکے سے پاؤں دھرتا ہے

(ناصر کاظمی)

اجڑ چکی ہے یہ بستی مگر وہ شخص ابھی
بڑے خلوص سے دل کے کھنڈر میں رہتا ہے

(محمد علی اثر)

ابھی میں اپنے گھر میں سو رہا تھا
ابھی گھر سے میں بے گھر ہو گیا ہوں

(محمد علوی)

نہ جس کا نام ہے کوئی، نہ جس کی شکل ہے کوئی
اک ایسی شے کا کیوں ہمیں ازل سے انتظار ہے

(شہریار)

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU
IMC LIBRARY
Hyderabad-34.

آگے آگے کوئی مشعل سی لیے چلتا تھا
ہائے کیا نام تھا' اس شخص کا پوچھا بھی نہیں

(شاذ تمکنت)

اب ملے ہم تو کئی لوگ بچھڑ جائیں گے
انتظار اور کرو اگلے جنم تک میرا

(بشیر بدر)

یہ چاہا تھا کہ پتھر بن کے جی لوں
سو اندر سے پگھلتا جارہا ہوں

(سلیم احمد)

دلوں کی اُور دھواں سا دکھائی دیتا ہے
یہ شہر تو مجھے جلتا دکھائی دیتا ہے

(احمد مشتاق)

ان شعروں کے موضوعات نئے نہیں ہیں۔ان میں عشق کی آنچ ہے' کسک ہے۔محرومی کا احساس ہے۔محزونی کا ذائقہ ہے۔عشق ومحبت کی ناکامی' یادوں کی ایک چلمن چھوڑ جاتی ہے جس سے حزن آمیز کرنیں بکھرتی رہتی ہیں۔اس طرح کے احساسات اور اس نوع کی داخلیت کی ملفوظی مصوری کلاسیکی شاعروں نے بھی کی ہے اور بعد کے شاعروں نے بھی۔پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر مرقومہ بالا شعروں کی ندرت کیا ہے؟ جدیدیت پسند شاعروں نے اپنی تخلیقی نادرہ کاری کا جوہر کہاں دکھایا ہے؟ ایک باشعور قاری کے لیے یہ سوال مشکل نہیں۔اظہار و بیان کی لفظیات عہد کی جدید حسیت اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور داخلیت کی ملفوظی مصوری کی ایک نئی صورت اور نئی جہت عکس پذیر ہوئی ہے۔ساتھ ہی ساتھ معنیاتی افق میں کشادگی آئی ہے۔اس عمل میں کہیں بھی تکدر یا ناگواری پیدا نہیں ہوئی بلکہ غزلیہ اسلوب میں معیاری اور باوقار اضافہ ہوتا ہے۔

جدیدیت پسند شاعری میں احساس تنہائی اپنے مضمرات کے ساتھ ایک اہم اور کلیدی وصف بن گیا ہے۔اس سے کئی مثبت اور منفی احساسات پے در پے جنم لیتے ہیں اور اصلاً یہ سب نظریۂ وجودیت کی کہکشاں ہیں۔وجود کی سطح پر فرد کے ذہن میں تنہائی کی کئی صورتیں نظر آتی ہیں مثلاً

1. بیگانگی (Alienation)
2. علاحدگی (Isolation)
3. گوشہ نشینی (Solitude)
4. اکیلا پن (Aloneness)
5. تنہائی (Loneliness)

یہ ساری صورتیں ایک دوسرے سے منسلک ہیں لیکن ان کے مدارج الگ الگ ہیں:

شہر وفا میں دھوپ کا ساتھی کوئی نہیں
سورج سروں پہ آیا تو سائے بھی گھٹ گئے

(بیگانگی۔پروین شاکر)

اب میں اک موج شب تار ہوں ساحل ساحل
راہ میں چھوڑ گیا ہے مرا مہتاب مجھے

(بیگانگی۔شہاب جعفری)

دم بخود تھے لوگ اپنے آپ سے سہمے ہوئے
گھر کے اندر عافیت کا ایک بھی گوشہ نہ تھا

(علاحدگی۔نشتر خانقاہی)

آج محصور ہیں دیمک زدہ دیواروں میں
ہم جو شامل تھے کبھی شہر کے معماروں میں

(علاحدگی۔پرت پال سنگھ بیتاب)

اتنا مانوس ہوں سناٹے سے
کوئی بولے تو برا لگتا ہے

(گوشہ نشینی۔احمد ندیم قاسمی)

رہتے ہیں اہل شہر کے سایے سے دور دور
ہم آہوانِ دشت کی صورت ڈرے ڈرے

(گوشہ نشینی۔احمد فراز)

اس اکیلے پن کے ہاتھوں ہم تو فکری مر گئے
وہ صدا جو ڈھونڈلی تھی جنگلوں میں کھوگئی

(اکیلاپن۔پرکاش فکری)

اکیلا چاند آئینے کو ترسے
بھرے تالاب میں کائی پڑی ہے

(اکیلاپن۔شاہین غازی پوری)

ایک مدت سے چراغوں کی طرح جلتی ہیں
ان ترستی ہوئی آنکھوں کو بجھادو کوئی

(تنہائی۔ساقی فاروقی)

اپنی عظمت کی داستاں لے کر
گاؤں میں رہ گیا کھنڈر تنہا

(تنہائی۔ملک زادہ جاوید)

احساس تنہائی کی صورتوں کے علاوہ ایک صورت اجنبیت ہے۔اسے احساس تنہائی کی پہلی سیڑھی بھی کہا جاسکتا ہے۔جدیدیت پسند غزل میں اس کا بھی پُراثر عکس ملتا ہے:

خوشیوں کی دھوپ' درد کے سائے کہاں گئے
وہ لوگ جو تھے اپنے پرائے کہاں گئے

(مغنی تبسم)

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34. IMC LIBRARY

اب تو اپنے آپ کو بھی اجنبی لگتا ہوں میں
کون مجھ سے چھین کر میری نشانی لے گیا

(سلطان اختر)

زندگی کی بے معنویت اور بے ہمتی، رشتوں کی بے رشتگی، چہروں کی بے چہرگی، مایوسی، خوف، فنا پرستی، لایعنت، بے وطنی، ہجرت، انفعالیت، احتجاج، تشدد، حسرت تعمیر، اثبات ذات وغیرہ ایسے بے شمار موضوعات ہیں، جنہیں جدیدیت پسند غزل گوؤں نے بڑے سلیقے سے برتا ہے۔ مثلاً چند شعر دیکھیے

خنجر بکف تھے لوگ کھڑے اس کے اردگرد
نکلا نہ ایک شخص بھی جلتے مکان سے

(پرکاش فکری)

بارش کی بوند بوند سے ڈرتا تھا میرا دل
اک ریت کے مکان کا معمار میں بھی تھا

(مخمور سعیدی)

عجیب خواب تھا تعبیر کیا ہوئی اس کی
کہ ایک دریا ہواؤں کے رخ پہ بہتا تھا

(آشفتہ چنگیزی)

یہ اک ابر کا ٹکڑا کہاں کہاں برسے
تمام دشت ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے
نہ اتنی تیز چلے سرپھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتا دکھائی دیتا ہے

(شکیب جلالی)

مرے خدا مجھے تو اتنا معتبر کردے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کردے

(افتخار عارف)

ہر نئی نسل کو ایک تازہ مدینے کی تلاش
صاحبو! اب کوئی ہجرت نہیں ہوگی ہم سے

(افتخار عارف)

اب کے ہم بچھڑیں تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

(احمد فراز)

دن کی دیکھی ہوئی ہر شکل بدل جائے گی
رات کے ساتھ ذرا گھر سے نکل کر دیکھو

(مخمور سعیدی)

جسم اپنا ہے کوئی اور نہ سایہ اپنا
جانے اس زیست سے ہے کون سا رشتا اپنا

(مصوؔر سبزواری)

منیؔر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

(منیؔر نیازی)

دھوپ نکلی دن سہانے ہوگئے
چاند کے سب رنگ پھیکے ہوگئے

(ناصؔر کاظمی)

یہ اشعار اپنے خالق کے زمینی رشتے کے ترجمان ہیں۔ ان کی بنت میں عصری آگہی ہے جو ان گنت مسائل اور داخلی کیفیتوں کے خمیر سے ابھری ہے۔ انسان جب خارجی دنیا میں اپنی نامرادیوں' ناکامیوں اور ناآسودگیوں سے تنگ آ کر ایک نوع کی بے نیازی اور لاپرواہی میں گرفتار ہونے لگتا ہے۔ لاچاری اور فطری مایوسی' ذاتی اور داخلی کرب کی شکل اختیار کرنے لگتی ہے تو اس کی آنکھیں اندر کی طرف کھلنے لگتی ہیں۔ وہ اپنے آس پاس کی دنیا سے ناامید ہو جاتا ہے اور خود اپنا چارہ گر بن جاتا ہے۔ اسے نہ کسی نشان راہ کی تلاش ہوتی ہے نہ خواب ناک دنیا کی۔ وہ اپنے آپ میں مگن رہتا ہے۔ اکتاہٹ' اضطراب' بے سمتی' بے معنویت' استعجاب اور خالی پن کے احساسات اسے ایک مسلسل اذیت میں مبتلا رکھتے ہیں اور وہ اندر ہی اندر گھلتا رہتا ہے مگر اس اذیت میں ایسی لذت ملتی ہے کہ اس کے لیے اپنے خول سے نکلنا کٹھن ہو جاتا ہے۔ جدیدیت پسند غزلوں میں عہد کی یہ کھری سچائیاں بڑی کربنا کی کے ساتھ منکشف ہوئی ہیں:

رہ گذر سونی' سینۂ اندھی مسافت ہے بہت
یہ کہ ہے دشت انا' اس میں اذیت ہے بہت

(لطفؔ الرحمٰن)

آئینہ توڑ کے چہرا دیکھوں
عکس کمرے میں تڑپتا دیکھوں

(باقر مہدؔی)

دشائیں چھوڑ رہی ہیں آج مجھ کو
نکل کر خود سے باہر آ گیا ہوں

(کمار پاشؔی)

تری صدا کا ہے صدیوں سے انتظار مجھے
مرے لہو کے سمندر ذرا پکار مجھے

(خلیل الرحمٰن اعظمؔی)

مجز ہجوم بے کراں کچھ بھی نہ تھا
منظروں کے درمیاں کچھ بھی نہ تھا

(علیم اللہ حالؔی)

یوں تو ان موضوعات میں گونا گونی اور تنوع ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک ہی عہد میں فکر و احساس کی ایک یلغار ہوگئی ہو' ایک طوفان آ گیا ہو مگر اس کثرت میں وحدت کی تلاش کی جائے تو انسان کی باطنی تاریخ کا ایک نگار خانہ ترتیب پا جائے گا جس میں زندگی کی تہہ داری' گہرائی' پھیلاؤ' تسلسل' ردو قبول اور عمل اور ردعمل سب کچھ نظر آئے گا اور یہ سب کچھ وجود کے معنی خیز داخلی سفر سے عبارت ہے۔ جس کے لمحے لمحے کی جمالیاتی اور ملفوظی تصویریں اور حسّی پیکر جدیدیت پسند غزلوں میں ملتے ہیں۔ ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ نازک حسّی تجربوں اور پر پیچ داخلی سفر کی جستہ جستہ روداد پیش کرنے کے لیے شیریں' سلیس اور رواں الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کی نشست و برخاست' ترتیب اور تنظیم سے ایک نغمہ بار اکائی بنتی ہے۔ جس میں آسان ڈکشن' شگفتہ علامتیں' موثر استعارے اور سجیلے رمز و اشارے سمائے ہوئے ہیں۔ ان ہی خصوصیتوں کی بنا پر جدیدیت کے زیر اثر اردو غزل موضوع و اسلوب اور لب و لہجے کے اعتبار سے نئی سمت سے بھی آشنا ہوتی ہے اور اپنی ایک شناخت بھی بناتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. جدیدیت کے زیر اثر غزل میں کس سطح پر تبدیلی آئی؟
2. ایسے پانچ الفاظ لکھیے جنہیں جدیدیت پسند غزل گوؤں نے بالتکرار برتا ہے۔
3. کسی بڑے جدیدیت پسند غزل گو کا نام لکھیے۔
4. جدیدیت پسند غزلوں کا محور کیا ہے؟
5. دو جدیدیت پسند شعر تحریر کیجیے۔
6. جدیدیت پسند غزل میں نئی حسیت سے کیا مراد ہے؟

29.5 جدیدیت پسند نظمیں

نظم ایک بیانیہ صنف شاعری ہے۔ اس میں اشاروں' کنایوں اور علامتوں کا نظام تو ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے مگر اس میں ہم آہنگی استحکام اور گٹھاؤ ویسا نہیں ہوتا ہے جیسا غزل میں ہوتا ہے کیوں کہ نظم میں ارتقا اور تسلسل کی گنجائش ہے۔ جدیدیت کے زیر اثر اس صنف میں بھی خوشگوار موڑ آیا ہے۔ نئی حسیت علی الخصوص احساس تنہائی اپنے تمام مضمرات اور پیچیدگیوں کے ساتھ ابھر کر سامنے آئی ہے:

میں نے زہد و تقویٰ کا ملبوس اتار دیا ہے
اور پراگندہ مٹی میں دفن گنہ سے صد ہا صد سالوں پوشیدہ تن
کو میلا کر کے عریاں کر ڈالا ہے
لیکن اب تو شب کا نور نکھر آیا ہے
سورج جاگ پڑا ہے
سارے سائے خاک ہوئے ہیں
اور بدن آلائش سے آلود نہیں
دیواریں ہیں دیواریں جو تنہائی کا چہرہ ہیں   (تنہائی کا چہرہ۔ افتخار جالب)

یہ علاحدگی اور گوشہ نشینی کا وہ شدید روپ ہے جو بدلے ہوئے سماج اور بدلی ہوئی تہذیب کے ردعمل میں سامنے آیا ہے' زہد و تقویٰ کا ملبوس' نمائشی اصول اور بندھن کی علامت ہے۔ اس کے ساتھ بلکہ متقابل' پراگندہ مٹی میں دفن گنہ' نمائش اور کھوکھلے اصولوں سے چھٹکارے کا علامیہ ہے۔ ظاہر ہے چھٹکارا پانے کے بعد من کے اندر اترنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جہاں روشنی ہے اور سکون ہے۔ دراصل تنہائی کا احساس محض جسمانی یا جذباتی سہارے کی عدم موجودگی سے پیدا ہوتا بلکہ ایک نوع کے تہذیبی اور نفسیاتی ردعمل کے طور پر بھی ابھرتا ہے اور یہ ردعمل زندگی کی ناہمواریوں یا نامساعد حالات میں ہوتا ہے۔

عمر اک چیخ کی میعاد ہے

تم بھی چیخو

اتنی شدت سے کہ اک مدت تک

وقت کو یاد رہے

جنگلوں اور پہاڑوں میں یہ فریاد رہے (وقت۔قاضی سلیم)

کبھی کبھی ردعمل کا ایک اور رنگ ابھرتا ہے۔ناموافق ماحول سے مفاہمت نہ کرنے کی بناپر فرد آس پاس کی ہر چیز سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔اس کے لیے ہر دیکھی بھالی موجود چیز اجنبی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا اپنا وجود بھی اسے اجنبی لگنے لگتا ہے

میں منظر ہوں تسلسل ہوں

مگر میں اجنبی کیوں ہوں

یہ فرش آب وگل میرے لیے اک سلسلہ کیوں ہے

پرندہ آسماں کی نیلگوں محراب کے اس پار جاتا ہے

پرندہ فاصلہ کیوں ہے

پرندہ ماورا کیوں ہے

(پرندہ۔بلراج کومل)

اجنبیت ہی کا ایک پہلو بیگانگی ہے۔اس کی منظوم شکل بھی دیکھی جاسکتی ہے:

سنسان ہیں مکان کہیں در کھلا نہیں

کمرے سجے ہوئے ہیں مگر راستہ نہیں

ویراں ہے پورا شہر کوئی دیکھتا نہیں

آواز دے رہا ہوں کوئی بولتا نہیں

(میں اور شہر۔منیر نیازی)

شارع عام پر حادثہ ہو گیا

آدمی کٹ گیا

اس کا سر پھٹ گیا

بھیڑ بہتی رہی

بات کرنے میں جو تھے مگن

بات کرتے رہے

قہقہے چیخ کے پر کرتے رہے

اور اکثر جو خاموش تھے

چپ گذرتے رہے

آدمی مر گیا! (سندباد۔عمیق حنفی)

صنعتی سماج کی تیز رفتار زندگی نے آدمی کو آدمی سے جدا کر دیا ہے۔ آدمی کے اندر کا انسان ہار چکا ہے۔ ماضی اور حال سے اس کا بڑا ڈھیلا ڈھالا ناتا رہ گیا ہے۔ بس ایک دوڑ ہے مستقبل کی طرف جس میں بیشتر لوگ شریک ہیں۔ کسی پل چین، سکون اور آسودگی نہیں ہے۔ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر متحرک اور فعال رہنے کا نام زندگی ہے اور زندگی کا یہی روپ بیگانگی اور اکیلے پن کا احساس پیدا کر رہا ہے

ہم اجنبی تھے شہر میں، ہمارا کون تھا وہاں

قطار در قطار سامنے تھے ان گنت مکاں

مگر ہمارے سر پہ چیختا رہا تمام شب مہیب آسماں (سائے کے ناخن۔ بلراج کومل)

ان نظمیہ ٹکڑوں میں جدید دور کے فرد کے اندر سے ٹوٹنے کی چیخ ہے، ایک اندوہناک اور دردناک چیخ، جو قاری کا ذہن جھنجھوڑتی ہوئی رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے اور داخلی طور پر فرد کے ریزہ ریزہ بکھرنے کی آڑی ترچھی تصویریں ترتیب دے جاتی ہے۔ واقعہ کی یکسانیت یا مرکزیت کے باوجود جدیدیت پسند شاعر اپنے اپنے ذہن و مزاج کے لحاظ سے اس کا اثر لیتے ہیں۔ ان کا ردِ عمل بھی الگ الگ زاویوں سے ہوتا ہے۔ شاعر اور سماج کے درمیان ہم آہنگی نہیں ہو پاتی اور نہ سماج سے اس کی اپنی ذات کی پہچان ہو پاتی ہے تو اس میں برگشتگی پیدا ہوتی ہے اور برگشتگی اس کی نفسیات پر ایسا اثر ڈالتی ہے کہ وہ بیگانگی، علاحدگی، اکیلے پن اور تنہائی کے احساسات سے دوچار ہوتا ہے اور کبھی کبھی گوشہ نشینی اختیار کر کے سکون حاصل کرتا ہے۔ یہ سب داخلی عمل کے مرحلے ہیں جنہیں شاعروں نے طے کیا اور اپنے اپنے لفظوں میں جلوہ گر بھی کیا

مگر یہاں کی بستیوں میں کون ہے؟

جو آس کی شکھا لیے سپاٹ سرد ریت پر کھڑا رہے

کوئی نہیں

کوئی نہیں

تو کیوں نہ ان بجھی دشاؤں کو سمیٹ لیں!

تو کیوں نہ اور سو رہیں!

(میں سو گیا۔ احمد ہمیش)

اے رنگ برنگی شامو

کیوں دامن میرا تھامو

تم آوازوں کی بستی

میں سناٹوں کا صحرا

تم بہتے وقت کی موجیں

پل بھر میں گذر جاؤ گی

میں سوچ کا پیاسا پتھر

آپ اپنی ہی گہرائی میں

ڈوبا ہوا رہ جاؤں گا (شہاب جعفری)

شاعروں نے اپنے حسی تجربوں کے دوسرے رنگوں کی بھی ترجمانی کی ہے اور شعری پیکروں کی تخلیق کی ہے۔ حسی اظہار کے اس رجحان کا تعلق پیکریت (Imagism) سے ہے۔ ذیل کا نمونہ دیکھا جا سکتا ہے :

تمہاری رگوں میں میری رگوں کی طرح
کتنی صدیوں کا خوں، کتنی نسلوں کا خوں موج زن ہے
اور یہ ساری نسلیں، شکستہ مگر اونچی دیوار کی طرح استادہ ہیں
یونہی کب تلک فون پر بات کرتے رہیں گے
یونہی فاصلہ جسم کا لمس کا
ایک رشتہ فقط صوت و آواز کا
یہ رشتہ بھی حصہ ہے گونگے سفر کا
جو کب ٹوٹ جائے
کسے یہ پتا ہے!
کاش یہ رشتۂ صوت و آواز ہی دائمی ہو
کہ گونگے سفر کے سبھی سلسلے عارضی ہیں (مظہر امام)

تحت الشعور اور لاشعور میں موجود بہت ہی موہوم سچائیوں اور واہموں کی ملی جلی کیفیت کے اظہار میں ابہام اور اشاریت کا پیدا ہونا فطری ہے۔ فی نفسہٖ ایسے تجریدی خیال زمینی علاقہ نہیں رکھتے۔ ذہن کی کسی تہہ میں پُراسرار طریقے سے آجاتے ہیں اور کبھی کبھی اچانک کہیں ظاہر ہوتے ہیں۔ شاعروں نے بسا اوقات اپنے خیال کا ہلکا پھلکا عکس پیش کیا ہے۔ ان کی بنت میں ماورائے حقیقت پسندی (Surrealism) کا میلان بھی شامل ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر نظم کا یہ حصہ درج ہے:

سورجوں کی بستیوں میں
ہر طرف سورج ہی سورج
میرے اپنے لوگ
میری آتما کے ان گنت انجانے روپ
اک دوسرے سے اس قدر سب آشنا
سارے روپ اک دوسرے میں نور کی مانند یوں تحلیل
جیسے میرے اندر میرا میں (وجدان۔ شہابؔ جعفری)

یہاں بات نئی، انوکھی اور پُراسرار ہے۔ علامتی اور اشاراتی اظہار اسے مزید مبہم بنا دیتا ہے۔ جس کی بنا پر وہ تخلیقی تاثر مرتسم نہیں ہوتا جو قاری کے وجود میں ایک پُرمسرت حسّی ارتعاش پیدا کردے اور معنویت کی روشنی پھوٹے۔

جدیدیت پسند شاعروں نے ہیئتی سطح پر آزاد نظم میں اپنی عصری حسیت کا جادو جگایا۔ اس کے علاوہ بصری نظم (Concrete poetry) اور نثری نظم (Prose-poem) کی ہیئتوں میں بھی تجربے کیے۔ آزاد نظم اور نثری نظم لکھنے کا چلن اردو میں بہت پہلے سے تھا۔ حلقۂ ارباب ذوق کے شاعروں نے پابند کے ساتھ ساتھ آزاد نظمیں بھی کہی تھیں پھر ترقی پسندوں نے بھی اسے اپنایا۔ نثری نظم رومانی اور ترقی پسند شاعروں کے ذریعے ارتقا پذیر ہوئی تھی۔ لیکن یہ امر ملحوظ رہے کہ آزاد نظم اور نثری نظم کی ہیئتوں کو تقویت اور استحکام جدیدیت پسند شاعروں نے دیا ہے۔ بہر حال کنکریٹ نظم کا یہ نمونہ زیر نظر رہے:

بدن کے کیپسول میں

عجیب سا سفوف ہے بھرا ہوا

کثیف ہے لطیف ہے غلیظ ہے

ڈرے سہمے ڈرے سہمے

تنفس تنفس

گل و ثمر سے جلے

سمٹ سمٹ کے سپی

جو کش مکش تمام ہو

بدن سوائے خول کے نہیں ہے کچھ

خلا

خلا

خلا

(خلا۔زرینہ ثانی)

یہاں چھوٹے بڑے مصرعے یا شعری سطریں بغیر کسی ترتیبی حسن کے اوٹ پٹانگ طور پر لکھی گئی ہیں جو خیال کی لہروں اور شعور کی رو کے اُتار چڑھاؤ اور ابھرنے ڈوبنے کی مثال ہے۔ اس کے پس پردہ زندگی کی بے ترتیبی، بے معنویت اور بے سمتی منعکس ہو رہی ہے۔ ان عوامل کی بصری تصویر لفظوں کی آڑی ترچھی سجاوٹ سے ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہیت کے اس تجربے میں یہ موضوع در آیا ہے کہ زندگی کے اتار چڑھاؤ اور کش مکش ہی کی بنیاد پر وجود قائم ہے اور اس کے بغیر وجود بالکل خلا کی طرح بے معنی ہے۔

نظمیہ شاعری میں اس طرح کے ہیئتی تجربے تو ہوئے مگر اردو شاعری کے مزاج میں یہ ضم نہیں ہو سکے اور تاریخ کا حصہ بن کر محفوظ ہو گئے۔ اس کے مقابلے میں نثری نظم آہستہ آہستہ پھلنے پھولنے لگی۔ اس کے ذریعے قدیم عروضی آہنگ کو توڑنے اور ایک متبادل آہنگ بنانے کی سعی کی گئی ہے۔ لفظوں، سطروں اور پیراگراف کی ترتیب سے آہنگ بنایا گیا اور کسی قدر کامیابی بھی ملی مگر نغمگی اور شعریت کی کمی کھٹکتی رہی۔ اس نظم کے مطالعے سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے:

تمہارا شعلہ بجھ چکا ہے

اس لیے نہیں کہ ہوا تیز تھی اور مخالف

بلکہ اس لیے کہ تم نے

اسے ہوا سے دور رکھا

('ساتواں در' کی ایک نظم۔ شہریار)

اعجاز احمد، احمد ہمیش، حسن شہیر اور افتخار جالب وغیرہ نے بھی اس دور میں نثری نظمیں کہیں اور جدیدیت کے مخصوص علامتی اور اشاراتی انداز اظہار میں عصری حسیت سمونے کی کوشش کی۔ ہیئتی سطح پر مختصر، اوسط اور طویل ہر طرح کے تخلیق پارے وجود میں آئے۔ جن میں مختصر نثری نظمیں قدرے موثر ثابت ہوئیں۔

جدیدیت کے دور میں وجودیت کے تناظر میں ابھرنے والے تمام موضوعات نظموں میں داخل ہوتے گئے اور تخلیق کی چمک دمک میں اضافہ کرتے رہے۔ احساس تنہائی، بیگانگی، اجنبیت، خوف، بے سمتیت، لایعنیت، انفعالیت وغیرہ نظمیہ افق پر چھائے رہے۔ دراصل یہ دور ہی داخلیت پسندی کا ہے۔ اس میں فکری سفر ظاہر سے باطن کی طرف تھا۔ تمام مظاہرات خارجی کا ردعمل فرد کی ذات میں محسوساتی سطح پر ہوتا ہے۔ ہر فرد کی محسوساتی سطح اس کے ذہن اور مزاج کے مطابق ہے نیز ہر مظہر کو دیکھنے کی اپنی نگاہ ہے اس لیے داخلی ردعمل بھی منفرد ہے۔ بالکل اسی طرح جدیدیت کی ایک پہچان علامتی اور اشاراتی اسلوب ہے۔ ہر تخلیق کار اور شاعر نے اپنے اظہار کے لیے یہی اسلوب اپنایا ہے مگر اس میں بھی انفرادی تخلیق کار کی خصوصیت موجود ہے۔ اس لیے یہ دعویٰ کرنا درست ہے کہ جدیدیت پسند نظموں میں موضوعاتی اور اسلوبیاتی طور پر شاعروں نے اپنی انفرادی چھاپ چھوڑی ہے جس سے نظمیہ سرمائے میں اکتا دینے والی یکسانیت نہیں آتی ہے بلکہ تنوع اور تلون بھی پیدا ہوتا ہے اور ہمہ گیری بھی آتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. دو جدیدیت پسند نظم نگاروں کے نام بتائیے۔
2. نظم کا ایک اہم موضوع بتائیے۔
3. پانچ جدیدیت پسند نظموں کے نام لکھیے۔
4. جدیدیت پسند نظم کی اسلوبیاتی خوبیوں پر روشنی ڈالیے۔
5. دور جدیدیت میں نظم کی کون کون سی ہیئتیں سامنے آئیں؟
6. بصری نظم کا تجربہ کیوں ناکام ہوگیا؟
7. جدیدیت پسند نظموں کی مجموعی شناخت کیسے ہوگی؟

29.6 خلاصہ

بیسوی صدی انقلاب اور تغیر کی صدی تھی اس کے وسط تک سارے عالم میں سیاسی، سماجی، اقتصادی اور صنعتی تبدیلیاں آئیں۔ اقتدار کی تبدیلیوں، آزادی کے نعروں اور جنگ کے دھماکوں سے فضا گونجنے لگی۔ روس پر سرخ پرچم لہرانے لگا۔ دو عالمی جنگیں لڑی گئیں۔ ہندوستان آزاد ہوا، پاکستان وجود میں آیا۔ چین میں عوامی حکومت بنی، برصغیر میں جنگیں ہوئیں۔ مذہبی اور لسانی ٹکراؤ ہوا۔ غرض ہر چہار طرف ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ ترقی پسند ادبی تحریک میں انتشار پیدا ہوگیا۔ سماجی حقیقت نگاری کا زور ٹوٹ گیا۔ فرد خارجی دنیا سے بیزار ہو کر داخلی دنیائیں آباد کرنے لگا۔ سماجی اور کائناتی حقائق اور عوامل کی بازیافت ذات کے حوالے سے ہونے لگی۔ اس دوران یوروپی فلسفیوں کے افکار سے اس رجحان کے پھلنے پھولنے میں مدد ملی۔ جس کے نتیجے میں عدم تحفظ، خوف، گمنامی، تنہائی، بے چہرگی، لایعنیت، فراریت، انکاریت وغیرہ جیسے احساسات عام ہوتے گئے اور شعر و ادب میں ان کا داخلہ تیزی سے ہونے لگا۔ شعر و ادب کے اسی رجحان کو جدیدیت کا نام دیا جاتا ہے۔

اسپنسر، بارتھ، اسٹاک مان، ارنسٹ ماخ، ہیوم، فرائڈ، ینگ، کروچے، سارتر وغیرہ کے نظریات کی جدیدیت کے رجحان میں بڑی اہمیت ہے۔ معرفت پسندی، انفرادیت پسندی، ماورائے حقیقت پسندی، ماورائیت، انکاریت، پیکریت، تاثریت، نراجیت، لایعنیت، لاشعور، اجتماعی لاشعور وغیرہ مقبول نظریے ہیں جو فرد کی ذہنی کیفیت، نفسیاتی کشمکش اور محسوساتی نزاکتوں پر مبنی ہیں۔ ان ہی کی بالکل ذاتی اور انفرادی ترجمانی سے نئی حسیت عبارت ہے۔

ابتداً جدیدیت پسند شاعروں نے بالخصوص غزل گوؤں نے اردو کی شعری روایت شکنی کرتے ہوئے انوکھا اور البیلا علامتی اور اشاراتی اسلوب اختیار کیا۔ اس میں خاصا ابہام بھی تھا اور ناپسندیدہ الفاظ و تراکیب بھی تھے۔ ندا فاضلی، شمس الرحمن فاروقی، شکیب جلالی، محمد علوی وغیرہ نے اس طرح کے اشعار کہے تھے مگر جلد ہی یہ لہر ختم ہوگئی اور جدیدیت کا متعدل غزلیہ رنگ ابھرنے لگا۔ موضوعات کے ساتھ ساتھ شعری اسلوب میں بھی خوشگوار تبدیلی کی گئی۔ موسیٰ و طور، مریم و عیسیٰ، یوسف و زلیخا، شیریں و فرہاد، قفس و آشیاں، کعبہ و کلیسا، صیاد و گلچیں، ساقی و میخانہ وغیرہ جیسی **تلمیحیں**، استعارے اور اشارے سے جان بوجھ کر گریز کیا گیا اور ان کی جگہ بالکل سامنے کی زمین سے جڑے ہوئے تلازمے، اشارے اور علامتیں وضع کی گئیں۔ سورج، چاند، رات، اندھیرا،

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE MANUU
IMC LIBRARY
Hyderabad-34

تلمیح=Allusion کسی تاریخی یا نیم تاریخی بات کا ایک دو لفظ میں حوالہ

ملفوظی=لفظوں میں چھپا ہوا

حسیت=Sensibility

برگشتگی=Defiance' انحراف

شعری عکس=شاعرانہ آئینہ داری

شعری روایت=شاعری کے متعلقات کا رواج

29.9 سفارش کردہ کتابیں

1. شمیم حنفی — جدیدیت کی فلسفیانہ اساس
2. لطف الرحمٰن — جدیدیت کی جمالیات
3. مظفر حنفی — جدیدیت۔ تجزیہ و تفہیم
4. شمیم حنفی — نئی شعری روایت
5. بشیر بدر — آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ
6. وزیر آغا — نظم جدید کی کروٹیں
7. فضیل جعفری — چٹان اور پانی